نقطہ نظر

حافظ محمد زبیر

تحریکِ نفاذِ شریعتِ محمدیؐ اور علماء کی ذمہ داریاں

۱۹۲۳ء میں سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کی صورت میں خلافتِ اسلامیہ کا ادارہ ختم ہو گیا۔ ملحد و سیکولر ترک رہنما مصطفیٰ کمال پاشا نے اپنی ایک تقریر کے دوران آسمان کی طرف اپنا مکا لہراتے ہوئے خدا کو دکھایا اور مسلمانوں میں پہلی دفعہ خدا کے تصور کو ریاست سے جدا کرنے کی بدعت کا آغاز فرمایا۔ مصطفیٰ کمال پاشا اور اس کی گرینڈ نیشنل اسمبلی کے کفریہ عقائد و نظریات پر مبنی قانون سازی نے مملکتِ ترکی کو خلافتِ اسلامیہ سے 'جمہوریہ کفریہ' کی طرف دھکیل دیا۔

اللہ کے رسول ﷺ کے دور سے لے کر ۱۹۲۳ء تک خلافتِ اسلامیہ کسی نہ کسی شکل میں کہیں نہ کہیں قائم رہی تھی، لیکن اب کی بار اُمتِ مسلمہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ چشم فلک نے یہ المناک منظر بھی دیکھا کہ اُمتِ مسلمہ خلافت کے مقدس ادارے سے محروم ہو گئی۔

دوسری طرف خلافتِ اسلامیہ سے جمہوریہ کفریہ کی طرف ترکی کے اس سفر اور خلافت سے محرومی نے اُمتِ مسلمہ کے ہر خطے میں بے چینی اور اضطراب کی لہر پیدا کر دی۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جب مصر، برصغیر پاک و ہند سمیت دنیا کے دوسرے خطوں میں خلافتِ اسلامیہ کی بحالی کے لیے مختلف تحریکوں کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۹۲۳ء سے تا حال اُمت میں یہ فکر پھول کی خوشبو کی مانند پھیلتی ہی چلی گئی ہے کہ خلافت کے ادارے کی دوبارہ بحالی مسلمانوں کی اولین اور اَشد ذمہ داری ہے اور اس عالم ارضی میں مسلمانوں کے مسائل کا واحد حل صحیح معنوں میں ایک اسلامی ریاست کا قیام ہے۔

چنانچہ پاکستان کے قیام کے فوراً بعد ہی علمائے کرام، دینی جماعتوں کے قائدین اور صالح فکر کے حامل مفکرین نے پاکستان کو حقیقی معنوں میں ایک اسلامی ریاست بنانے کے لیے آئینی و قانونی جدوجہد کا آغاز کیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی،

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا عبد الحامد بدیوانی، مولانا ظفر احمد انصاری، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور سردار عبد الرب نشتر رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ کی کوششوں کے نتیجے میں ۱۹۴۹ء میں قرار دادِ مقاصد منظور ہوئی اور ریاست جمہوریہ پاکستان نے اس قرار داد کو اپنے آئین کا مقدمہ بناتے ہوئے کلمہ شہادت کا اقرار کیا اور بظاہر مسلمان ہوگئی۔

قرار دادِ مقاصد کے حصول کے بعد بھی علما کی طرف سے نفاذِ اسلام کی آئینی و قانونی کوششیں جاری رہیں۔ ۱۹۵۰ء ہی کے لگ بھگ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں آئین سازی کے لیے سرکاری سطح پر ایک بورڈ قائم کیا گیا جس کا نام 'بورڈ آف تعلیماتِ اسلامیہ' رکھا گیا۔ اس بورڈ مین اگرچہ اس وقت کے نامور دانشور اور علماء مثلاً سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مفتی محمد شفیع، مولانا ظفر احمد انصاری اور مفتی جعفر حسین وغیرہ شامل تھے، لیکن حکومت نے اس بورڈ کی پیش کی گئی سفارشات کو قانون سازی میں کوئی اہمیت نہ دی۔

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد جب بھی علما یا دینی حلقوں کی طرف سے حکمران طبقے سے اسلامی قانون کے نفاذ کا مطالبہ کیا جاتا تو ان کی زبانوں پر ایک ہی کلمہ استعجاب جاری ہو جاتا: کون سا اسلام نافذ کیا جائے!؟ حنفی، بریلوی، شافعی، اہل تشیع کا، یا اہل حدیث کا؟ چنانچہ جنوری ۱۹۵۱ء میں ملک کے نامور شیعہ، بریلوی، دیوبندی اور اہلحدیث علمائے کرام کی ایک جماعت نے بائیس نکات پر مشتمل ایک متفقہ فارمولا منظور کیا۔ اس قرارداد پر دستخط کرنے والوں میں مولانا مودودی، سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع، مولانا ظفر احمد انصاری، مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا عبد الحامد بدیوانی، پیر مانکی شریف اور مفتی جعفر حسین وغیرہ رحمہم اللہ جیسی نامور شخصیات شامل تھیں۔

علمائے حق کی جانب سے پاکستان کے قانون اور آئین کو اسلامی بنانے کی یہ کوششیں تقریباً نصف صدی تک جاری رہیں☆ بورڈ آف تعلیماتِ اسلامیہ ہو یا ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ، اسلامی نظریاتی کونسل ہو یا وفاقی شرعی عدالت، ان سب اداروں کا قیام علمائے کرام کی اسی

☆ علماء کی اس طویل جدوجہد کا تذکرہ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اپنے ایک مقالے میں کیا ہے جو ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں کی کتاب 'علم اُصولِ فقہ: ایک تعارف' کی تیسری جلد میں شامل ہے۔

جدوجہد کا مرہونِ منت تھا۔ایک وقت تھا جبکہ اسلامی نظریاتی کونسل میں ملک کے جید علماء شامل ہوتے تھے اور اَب صورت اس کے بالکل برعکس نظر آتی ہے۔ بہر حال اکثر و بیشتر ایسا ہوا کہ علما کی تحریک کے نتیجے میں حکومتِ وقت کی طرف سے جب بھی قانون و آئین کو اسلامی بنانے کے لیے کچھ ادارے قائم ہوئے یا بورڈ بنائے گئے ، یا تو وہ ملکی سیاست کی بھینٹ چڑھ گئے یا اگر علمائے حق کو ان اداروں میں نمائندگی کا موقع دیا بھی گیا تو ان کی بیش بہا تحقیقات کو ردّی کی ٹوکری کی نذر کردیا گیا۔اصحابِ اقتدار کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے آہستہ آہستہ علما کے ایک طبقے میں بھی مایوسی اور بددلی اس قدر گھر کر گئی کہ وہ نفاذِ اسلام کے لیے پرامن آئینی و قانونی جدوجہد سے بھی کٹ کر ہمہ تن قرآن وحدیث کی تعلیم میں مشغول ہوگئے۔ یہ تو تصویر کا ایک رخ ہوا۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ افغانستان میں روس کے خلاف جہاد کے نتیجے میں پاکستان کے مذہبی حلقوں میں جذبہ جہاد کی آبیاری ہوئی۔اس جہاد کے نتیجے میں افغانستان میں روس کو شکست ہوئی اور طالبان کی حکومت قائم ہوگئی۔ نائن الیون کے بعد افغانستان پر امریکی حملہ ہوا، امارتِ اسلامیہ افغانستان ختم ہوگئی اور امریکہ کے خلاف طالبان کی طویل گوریلا جنگ کا آغاز ہوا۔ وزیرستان، مالاکنڈ ڈویژن، سوات اور صوبہ سرحد کے کئی ایک دوسرے حصوں سے مجاہدین کی ایک بہت بڑی تعداد جہادِ افغانستان میں شریک ہونے کے لیے افغانستان گئی، لیکن وہاں کے طالبان کو اس وقت کے مخصوص حالات کے اعتبار سے افراد کی بجائے حکمتِ عملی اور جدید اسلحہ کی زیادہ ضرورت تھی۔پس افغانستان کے خاص حالات کے پیش نظر پاکستانی مجاہدین کی اتنی بڑی تعداد طالبان کے لیے ایک اضافی بوجھ تو بن سکتی تھی، لیکن مفید نہ تھی۔ چنانچہ طالبان قیادت سے مشورے کے نتیجے میں یہ مجاہدین واپس پاکستان آگئے۔

دوسری طرف امریکہ نے جب پرویز مشرف حکومت پر القاعدہ، طالبان اور عرب مجاہدین کو پکڑوانے میں تعاون کے لیے دباؤ ڈالا تو پرویز مشرف کی حکومت نے امریکی ڈالروں کے حصول کی خاطر سوات اور مالاکنڈ ڈویژن کے افغانستان سے واپس آنے والے مقامی مجاہدین

کو پکڑ پکڑ کر امریکہ کے حوالے کرنا شروع کر دیا جو کہ امریکہ کو اصلاً مطلوب بھی نہ تھے☆

اس عمل کے نتیجے میں صوبہ سرحد کے اس خطے کی عوام میں حکومت کے خلاف شدید نفرت پر مبنی ردّعمل پیدا ہوااور پرویز مشرف کی ظالم حکومت کے خلاف انتقامی جذبات نے ایک مقامی تحریک جہاد کی صورت اختیار کر لی۔ اقتدار کے نشے میں مست فوجی ڈکٹیٹر نے اس تحریک کو دبانے کے لیے معصوم سواتی عوام پر وحشیانہ بمباری کروائی۔ رہی سہی کسر وزیرستان اور قبائلی علاقوں میں امریکی جہازوں کے ڈرون حملوں اوراس پر حکومتِ وقت کی مجرمانہ خاموشی نے پوری کر دی۔ آئے روز امریکہ کے ڈرون حملوں کا دائرہ وسیع ہوتا ہی جا رہا ہے اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ امریکہ کے ان حملوں کے جواب میں سوائے وائٹ ہاؤس کی خدمت میں درخواستیں پیش کرنے کے ہماری افواج یا حکومتِ وقت میں کوئی حکمتِ عملی اختیار کرنے یا کاروائی کرنے کی ہمت یا جرات نہیں ہے۔ صلیبی ٹیکنالوجی کا اس قدر رعب وخوف ہمارے جرنیلوں کے دلوں میں بٹھا دیا گیا اور امریکی ڈالروں کی ایسی محبت ہمارے حکمرانوں کے جسم و جان میں پلا دی گئی ہے کہ اگر امریکہ پاکستان کے صوبہ سرحد کی طرح چاروں صوبوں پر بھی ڈرون حملے شروع کر دے تو شاید پھر بھی حکومت پاکستان کی رِٹ (writ) چیلنج نہیں ہو گی لیکن اگر سوات کے عوام حکومت کے ظالمانہ عدالتی نظام سے نجات حاصل کرنے کے لیے عدل و انصاف مہیا کرنے والی عدالتوں کے قیام پر اصرار کریں تو حکومت پاکستان کے لیے رِٹ (writ) کا مسئلہ فوری پیدا ہو جاتا ہے۔

وزیرستان کے جہاد کی حقیقت بھی یہی ہے کہ وہاں بھی عرب مجاہدین کو پکڑوانے کے لیے پرویز مشرف حکومت کی طرف سے فوجیں چڑھائی گئی جس کے نتیجے میں وہاں کے قبائلیوں نے اپنے جان و مال کے تحفظ کی خاطر حکومت پاکستان کے خلاف دفاعی جہاد شروع کیا جس نے اپنوں کے خون کے قصاص کی خاطر بالآخر اقدامی قتال کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اس کی تفصیلات ہم نے اپنے ایک مضمون میں بیان کی ہیں جو کہ ماہنامہ 'الاحرار' لاہور کے جنوری،

☆ اس بارے میں مزید معلومات کے لیے: مراد کرناز کی عبرت ناک داستان بعنوان ''جب مجھے تین ہزار ڈالر میں امریکیوں کے ہاتھ فروخت کیا گیا'' ماہنامہ اردو ڈائجسٹ فروری ۲۰۰۹ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

اپریل، مئی اور جون ۲۰۰۸ء میں چار اقساط میں شائع ہو چکا ہے۔ سونے پر سہاگہ یوں ہوا کہ حکومتِ پاکستان نے صوبہ سرحد اور قبائلی علاقوں پر امریکی ڈرون حملوں کے بعد اپنی خفت مٹانے کے لیے اپنی فضائی فورسز کو معصوم قبائلی عوام کو شہید کرنے پر لگا دیا۔ قبائلی علاقوں اور مالاکنڈ ڈویژن میں امریکہ اور ان کے حواری پاکستانی حکومت کے خلاف دفاعی جہاد کی اس تحریک نے کئی ایک طالبان گروہوں اور جہادی تحریکوں کو جنم دیا اور بڑھتے بڑھتے اس تحریک نے اقدامی قتال، خودکش حملوں، قتال فرضِ عین اور امریکہ نواز حکومتوں کی تکفیر کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا۔

اس دفاعی جہاد کے اقدامی قتال کے مرحلے میں داخل ہونے کے پیچھے مقامی افراد کے رد عمل کے علاوہ ایک اہم سبب یہ طرزِ فکر بھی ہے کہ پاکستان میں بھی ایک حقیقی اسلامی ریاست کا قیام صرف عسکری طریقے ہی سے ممکن ہے۔ سوات میں اُبھرتی ہوئی طالبان تحریک، پرویز مشرف کی امریکہ نواز حکومت کی ظالمانہ پالیسیوں کا ردعمل ہے۔ پاکستان کے مذہبی حلقوں کے خلاف حکومتوں کی مسلسل ظالمانہ پالیسیوں نے یہ فکر عام کر دیا ہے کہ مذہبی حلقے کو امریکہ کی غلامی کے علاوہ پاکستان کے ظالم حکمرانوں سے بھی نجات حاصل کرنی ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ آزادی ہر مسلمان، مسلمان تو کیا ہر انسان کا ایک بنیادی حق ہے۔

آج صوفی محمد کی تحریک کو کبھی رحمٰن ملک، کبھی زرداری، کبھی الطاف حسین اور کبھی جنرل کیانی یہ الزام دیتے نظر آتے ہیں کہ یہ تحریک لوگوں پر اسلام کے نام پر جبراً اپنے انتہا پسندانہ نظریات مسلط کرنا چاہتی ہے۔ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ پاکستان کے قیام کے بعد سے اب تک تقریباً ساٹھ سال کے طویل عرصے میں چند افراد پر مشتمل حکومتی ٹولے یا مارشل لاء ڈکٹیٹروں نے ملک کے مذہبی حلقوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ آئین و قانون کے نام پر عوام الناس پر ان کی مرضی کے خلاف اپنے ملحدانہ اور کفریہ نظریات کو کبھی 'انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء' کے نام پر اور کبھی 'تحفظ حقوقِ نسواں بل' کی آڑ میں جبراً نافذ کرنا یا بے گناہ پاکستانی عوام کو پکڑ پکڑ کر امریکہ کے ہاتھوں چند ڈالروں کے عوض بیچ دینے کو کیا آزادی و مساوات کا نام دیا

جائے؟ بیروزگاری کے عفریت، معاشی بدحالی، فقر و فاقہ کے نتیجے میں خودکشیاں، غیر اعلانیہ لوڈ شیڈنگ، جرائم کی کثرت، عدالتوں میں انصاف کا بحران، پولیس اور لینڈ مافیا کا ظلم وستم، امن و امان کی تباہی، انٹرنیٹ اور کیبل کی صورت میں عریانی و فحاشی کا سیلاب، وڈیرہ شاہی، جاگیردارانہ نظام، کرپشن، رشوت خوری، چوری وڈکیتی، زنا و گینگ ریپ، عورتوں کو زندہ دفن کر دینا، غیر انسانی طبقاتی تقسیم، منشیات وشراب کی سرعام فروخت، گلی کوچوں اور سڑکوں پر ڈاکوؤں کی قتل و غارت اور عامۃ الناس پر ظلم وستم کی انتہا کرنے والی لسانی و علاقائی تنظیمیں...... کیا پاکستان کی عوام یہ سب کچھ چاہتی ہے؟ اگر نہیں تو اس کو اُن پر مسلط کرنے کا ذمہ دار کون ہے؟ حکومت کا ظالمانہ اور کرپشن پر مبنی ناقص نظام یا طالبان؟ پاکستانی معاشرے پر ان گندگیوں کو کس نے جبراً مسلط کیا ہے؟ حکومتِ وقت نے یا مولانا صوفی محمد نے؟

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان میں اسلامی ریاست کے قیام یا نفاذِ شریعت یا قیام عدلِ اجتماعی یا ظالم حکمرانوں سے آزادی حاصل کرنے کے حوالے سے مذہبی طبقے اپنی جدوجہد کے اعتبار سے بنیادی طور پر دو مناہج میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ ایک منہج تو عسکری ہے جو حکومت کی ظالمانہ پالیسیوں کا ثمر ہے اور دوسرا منہج اس مقصد کے حصول کی خاطر ہر اس جدوجہد پر مشتمل ہے جو پاکستان کے آئین وقانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ہو۔

پاکستان کے قیام کے فوراً بعد علماء اور دینی تحریکوں نے نفاذِ شریعت کے لیے دوسرے منہج کو ہی اختیار کیا۔ ہمارے خیال میں اس طریقۂ کار کو اختیار کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ پاکستان کے حکمران اس وقت کے علما کی نظر میں معیاری مسلمان تھے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ اگر پاکستان کے حکمران کافر ہوتے تو پھر بھی علماء اسلامی ریاست کے قیام کے لیے دوسرے منہج ہی کو اختیار کرتے، کیونکہ پہلا منہج ناقابل عمل اور ناممکن ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں برصغیر پاک و ہند میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد علماء نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس خطہ ارضی میں مسلمانوں کی حکومت دوبارہ بحال کرنے کے لیے عسکری طریقۂ کار ممکن نہیں رہا تو اُنہوں نے اگلی ایک صدی (۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء) تک مسلمانوں کی آزادی اور ایک اسلامی ریاست کے قیام

کی خاطر اپنی جدوجہد کا رخ آئینی، قانونی اور سیاسی طریقہ کار کی طرف پھیر دیا۔ لال مسجد کے واقعے کے بعد علماء کے بیانات سے ایک دفعہ پھر یہ بحث واضح ہوگئی ہے کہ اُنہوں نے اپنے حق میں نفاذِ شریعت کے لیے پر اَمن جدوجہد ہی کو اصل منہج قرار دیا ہے۔ اگرچہ علماء وہ پر امن جدوجہد کر رہے ہیں یا نہیں؟ ...... یہ ایک سوالیہ نشان ضرور باقی رہ جاتا ہے!!

سوات میں تحریکِ نفاذ شریعت محمدی کے بارے میں اس وقت مذہبی حلقے دو حصوں میں تقسیم ہوگئے ہیں۔ ایک تو حکومتی و سیاسی ملاؤں کا ٹولہ ہے جو حکومت وقت کی تائید وخوشنودی حاصل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ درباری مولویوں اور گدی نشینوں کا یہ طبقہ کبھی بھی نہیں چاہے گا کہ توحید کے متوالوں کی حکومت قائم ہو اور مذہبی استحصال پر مبنی ان کا کاروبار وتجارت متاثر ہو۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ بعض سرکاری مولویوں نے مولانا صوفی محمد کے بعض فتاویٰ پر شدید جرح کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مولانا صوفی محمد نے پارلیمنٹ کو کفریہ قرار دیا ہے تو جمہوری نظام کے کفر ہونے میں راسخون فی العلم کے ہاں کہاں دو آرا پائی جاتی ہیں؟ جمہوری نظام کفر تو ہے، لیکن اس کفر کے ساتھ رویہ یا معاملہ کیسا ہونا چاہیے؟ اس کفریہ نظام میں رہتے ہوئے اس کو تبدیل کرنے کی جدوجہد کیسے ہو؟ کفریہ نظام کی تبدیلی کے لیے اس میں شامل ہو کر اس کے خلاف جدوجہد کی جائے مثلاً بذریعہ انتخاب یا کسی حکومتی ادارے مثلاً اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت کی سرپرستی کے ذریعے آئین، قانون اور نظام میں تبدیلی لائی جائے یا اس سے باہر رہتے ہوئے انتخابات کے علاوہ احتجاج کا رستہ اختیار کیا جائے؟ یہ موضوع درحقیقت علما کے مابین محل اختلاف ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مولانا صوفی محمد کے اس بیان سے کسی فتویٰ کی اہمیت سامنے آئی ہے اور حکمران طبقے نے اپنے خلاف کفر کے فتویٰ میں جو دفاعی انداز اختیار کیا ہے، وہ قابل تعجب ہے۔ ہمارے خیال میں یہ وہ موقع ہے جبکہ علمائے پاکستان کو متحد ہو کر پارلیمنٹ، حکومتِ وقت اور جمہوری نظام کی شرعی حیثیت کو فتویٰ کی زبان سے واضح کرنا چاہیے اور اس میں مقصد لوگوں کو خروج یا بغاوت پر آمادہ کرنا نہ ہو بلکہ

۱۔ اس سے اصل مقصود الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے اس بحث کو اُجاگر کرنا ہو کہ کیا قرآن وسنت کی روشنی میں حکمران طبقے، موجودہ جمہوری نظام اور حکومتی پالیسیوں میں واقعتاً کچھ مسائل ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ تکفیر کے مستحق ٹھہرتے ہیں تا کہ حکومت وقت کی خارجہ و داخلہ پالیسیوں میں اپنے عوام کے بنیادی حقوق کے پاس، عدل و انصاف کی فراہمی اور اسلامی تعلیمات کے لحاظ کی طرف مثبت میلان ورجحان پیدا ہو۔

۲۔ اس اجتماعی فتوے سے ایک دوسرا اہم تر مقصد یہ حاصل کیا جا سکتا ہے کہ ایک اسلامی فلاحی ریاست کے قیام اور نفاذِ شریعت کے لیے وکلا کی چیف جسٹس بحالی تحریک یا نواز شریف کے لانگ مارچ کی طرز پر سارے ملک میں ایک پرامن عوامی احتجاجی تحریک برپا کی جا سکتی ہے۔

ہمارے مخلص مذہبی طبقے بالخصوص کا المیہ یہ ہے کہ نفاذِ شریعت یا قیامِ خلافت کے لیے ان کے ذہن میں کوئی منہج ہے تو وہی خروج یا بغاوت کا طریقہ کار ہے جو فی زمانہ ریاست اور کسی عوامی جماعت کے مابین بہت زیادہ عدمِ توازن کی وجہ سے ناقابلِ عمل ہونے کے ساتھ ساتھ ناممکن بھی ہو چکا ہے۔ اور اس منہج کے تیزی سے پھیلنے کا بنیادی سبب ہمارے حکمرانوں کا حد سے بڑھتا ہوا ظلم ہے۔ اگر جذبات کی بات ہوتی تو شاید ہم بھی کہتے کہ حجاج کی نسل سے تعلق رکھنے والے معصوم بچیوں، عورتوں، بوڑھوں اور نوجوانوں کے ان قاتلوں کی سزا یہ ہے کہ مال روڈ پر لٹا ڈال کر ان پر ٹینک چڑھا دیے جائیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہم کر کیا سکتے ہیں؟

اس وقت جذبات سے زیادہ عقل کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں نفاذِ شریعت کی عسکری تنظیموں کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ وہاں عمل، فکر سے پچاس کلومیٹر آگے دوڑ رہا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے فکر و عمل کا دوڑ مقابلہ ہو رہا ہو۔ اس وقت اُمتِ مسلمہ کو امریکہ اور اس کے حواریوں سے یہ جنگ جیتنے کے لیے جسم و جان سے زیادہ فکر ونظر کے استعمال کی ضرورت ہے۔ نفاذِ شریعت کے لیے ایک طویل جدو جہد کے بعد مولانا صوفی محمد کو بھی یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی تھی کہ پاکستان میں عسکریت یا خروج کے رستے کامیابی حاصل نہیں کی

جا سکتی۔ ہمارے خیال میں اگر لال مسجد کے واقعے میں بھی ایک پرامن احتجاجی تحریک کی صورت میں نفاذِ شریعت کا مطالبے کو آگے بڑھایا جاتا تو بہت بہتر تھا۔

اس وقت لوہا گرم ہے اور اس کو چوٹ لگانے کا وقت قریب آگیا ہے۔ علمائے پاکستان کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مالاکنڈ میں شریعت کے نفاذ کے تحفظ اور سارے ملک میں نظامِ عدل کے قیام کی خاطر ایک پرامن احتجاجی تحریک کا آغاز کریں۔ سیاسی پارٹیاں اپنے عہدوں اور وکلا انگریزوں کے بنائے ہوئے کالے قوانین کے تحفظ کی خاطر قربانیاں دے سکتے ہیں، مظاہرے کر سکتے ہیں، دھرنے دے سکتے ہیں تو علما اور طلبا، دین اسلام، ظلم وستم کے خاتمے اور عدل و انصاف کے قیام کی خاطر کیوں ایسا نہیں کر سکتے؟

ہمارے ہاں عام طور پر مفتیانِ کرام مجاہدین کے حق میں قتال کی فرضیت کے فتوے جاری کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ شاید اُنہوں نے اپنے حصے کا فرض ادا کر دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امریکہ، برطانیہ، اسرائیل، انڈیا اور ان کے حواریوں کے ظلم و بربریت کے خلاف قتال فرضِ عین ہے، فرضِ عین ہے، فرضِ عین ہے، اگر یہ صفحات اجازت دیتے تو ہم ستر مرتبہ اس جملے کو دہراتے۔ ہمیں اختلاف قتال کی فرضیت میں نہیں ہے بلکہ اس میں ہے کہ کس پر فرض ہے؟ ہمارے نزدیک یہ قتال اسلامی ریاستوں کے سربراہان، حکمرانوں اور اصحابِ اقتدار پر فرض ہے اور علما، طالبانِ دین اور مصلحین پر فرض یہ ہے کہ اپنے ملک کے حکمرانوں اور اصحابِ اقتدار کو اس قتال پر ہر آئینی، احتجاجی، قانونی، لسانی، علمی، اخلاقی اور تحریری ذرائع و وسائل، اخبارات، رسائل و جرائد، الیکٹرانک میڈیا، جلسے جلوسوں، دھرنوں، سیمینارز اور کانفرنسوں کے انعقاد، اجتماعی مباحثوں اور مکالموں اور عوامی دباؤ کے ذریعے مجبور کریں اور اگر پھر بھی حکمران اس فریضے کی ادائیگی سے انکار کریں تو مذکورہ بالا تمام پرامن کوششوں کے ذریعے، ان حکمرانوں کی معزولی اور ان کی جگہ اس عہدے کی اہلیت رکھنے والے اصحابِ علم وفضل کی تقرری، علما اور داعیانِ حق کا بنیادی فریضہ ہوگا تاکہ ریاستی سطح پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے عالمی ظلم کے خلاف قتال کا فریضہ سرانجام دیا جا سکے۔

ہمارے نزدیک علما کا جہاد یہ ہے کہ علمائے کرام، دینی جماعتیں اور ان کے کارکنان اور دینی مدارس کے طلبہ، وزیرستان اور دوسرے قبائلی علاقوں میں ہونے والے وحشیانہ ڈرون حملوں اور قبائلی علاقوں میں پاکستانی افواج وفضائیہ کی پرتشدد کاروائیوں کے خلاف ملک گیر سطح پر پرامن جلسے اور جلوسوں کا اہتمام کریں۔ عوام الناس کی رائے ہموار کریں۔ سٹریٹ پاور بڑھائیں۔ اسلامی نظام عدلِ اجتماعی کے نفاذ تک وکلا کی طرح مسلسل مظاہرے کریں۔ امریکہ کی حمایت ختم کرنے کے لیے حکومتِ وقت کے خلاف دھرنے دیں۔ بے غیرت، بے دین اور ظالم حکمرانوں کی معزولی کی خاطر پرعزم لانگ مارچ کریں۔ پاکستان کی پاک سرزمین پر اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے ہر پرامن جدوجہد اختیار کریں اور نتائج اللہ کے حوالے کردیں۔

المیہ یہ ہے کہ پاکستان کا مذہبی طبقہ اس طرح کی پرامن جدوجہد کے ذریعے اسلام، جہاد اور مجاہدین کی جو مدد کرسکتا ہے، وہ تو کرتا نہیں ہے بس ساری توانائی اس پر ہی خرچ ہوجاتی ہے کہ ایک عام سپاہی یا فوجی کافر ہے یا مسلمان؟ عام مسلمان پر قتال فرضِ عین ہے یا فرضِ کفایہ؟ مدارس میں بیٹھ کر جہاد کے حق میں فرضِ عین ہونے کے فتاوی جاری کرنے سے یہ نفسیاتی تسکین تو کسی مفتی صاحب کو حاصل ہوسکتی ہے کہ اُنہوں نے جہاد کی خاطر بہت گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں، لیکن اگر وہی مفتیان حضرات جہاد اور مجاہدین کے حق میں حکومت کے خلاف پرامن مظاہرہ کرتے اور جماعت اسلامی کے کارکنان یا وکلا کی طرح سر پھٹواتے تو خارج میں نتائج بہت مختلف ہوتے۔ ہمارے خیال میں پاکستان میں اسلام وعدل کا نفاذ پرامن جدوجہد اور قربانیاں دینے سے ہوگا اور پاکستان میں نفاذِ اسلام کے بعد ملتِ کفر سے جہاد وقتال کا مرحلہ آئے گا اور ساری دنیا میں اسلام کا غلبہ ریاستی سطح پر ہونے والے جہاد وقتال سے ہوگا۔

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ انڈیا ہو، امریکہ، اسرائیل ہو یا برطانیہ، ان ظالم اقوام کے ظلم کے خلاف جہاد وقتال اسی صورت میں کامیاب ہوسکتا ہے جبکہ پاکستان میں پہلے اسلامی نظام کا

نفاذ ہو جائے اور پھر ریاست کی سطح پر ان عالمی دہشت گردوں کے خلاف قتال کیا جائے۔ پس پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ صحیح منہج پر قائم ہونے والی جہاد وقتال کی عالمی تحریک کا پہلا زینہ ہے اور ہمارے خیال میں اس پہلے زینے تک پہنچنے کے لیے کامیاب طریقہ کار وہی ہوگا جو کہ عدم تشدد پر مبنی ہو۔

علمائے دیوبند کی تبلیغی جماعت، مولانا مودودی کی جماعتِ اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد کی تنظیم اسلامی اور مولانا صوفی محمد کی تحریکِ نفاذِ شریعت محمدی اس وقت تک اسی منہج پر مختلف مراحل اور مدارج میں کام کر رہی ہیں اور پاکستان میں نفاذِ اسلام کے لیے پرامن جدوجہد کے ذریعے راہ ہموار کر رہی ہیں۔ علما کو چاہیے کہ وہ ان تحریکوں کے تعاون سے نفاذِ شریعت کے لیے ایک عظیم احتجاجی تحریک کی بنیاد رکھیں۔ یہی ہمارے نزدیک جہاد کا وہ حقیقی عمل ہے جس کو تیز کرنے کی اشد ضرورت ہے اور یہ اسی وقت تیز ہوسکتا ہے جبکہ علمائے دیوبند، اہل الحدیث علما اور بریلوی اہل علم کی سرپرستی اس کو حاصل ہوگی۔ معروف اہل حدیث رہنما حافظ ابتسام الٰہی ظہیر نے مولانا صوفی محمد کے بیانات اور اقدامات کی تحسین کی ہے۔ ہمارے خیال میں نفاذِ شریعت کی خاطر اتحاد کی راہ ہموار کرنے کے لیے مذہبی اختلافات سے بالاتر ہو کر ایسے تائیدی بیانات دینا، اس لحاظ سے ایک قابل تحسین امر ہے کہ ہر مذہبی گروہ نفاذِ شریعت کے مسئلے کو اپنا مسئلہ سمجھتا ہے۔

کچھ ہی دن پہلے اخبار میں ایک خبر شائع ہوئی کہ کراچی کے حلقہ دیوبند کے علما نے تحریک نفاذ شریعت محمدی کے دفاع کے لیے ایک حکمتِ عملی تیار کرنے کے لیے جامعہ فاروقیہ میں علما کا ایک اجلاس طلب کیا ہے۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے۔ مؤرخہ ۲۷ر اپریل کو جامعہ نعیمیہ لاہور میں ملی مجلس شرعی کے زیر اہتمام بھی اہل تشیع، اہل الحدیث، بریلوی اور دیوبندی علما کی ایک مجلس کا انعقاد ہوا۔ جس میں ایک مشترکہ اعلامیہ کے ذریعے سوات اور مالاکنڈ ڈویژن میں نفاذِ شریعت کے حکومتی اقدام کو برقرار رکھنے اور سارے پاکستان میں نظامِ عدل کے قیام کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ علما نے اپنے اس اجلاس اس بات کو واضح کیا ہے کہ سوات میں نافذ ہونے

والے نظامِ عدل کی ایک دفعہ کے مطابق تمام فرقوں کو ان کے پرسنل لاز میں ان کے مذہب کے مطابق فیصلے حاصل کرنے کی آزادی ہوگی اور قاضیوں کا تقرر بغیر کسی مسلکی تفریق کے کیا جائے گا۔ ایسا ہی ایک اجلاس مؤرخہ ۳۰/ اپریل کو جامعہ اشرفیہ میں اور ۶ مئی کو مسجد قادسیہ میں بھی منعقد ہوا جس میں اس نفاذ شریعت کے مسئلے پر علما کے مابین اتفاقِ رائے کے نتیجے میں مشترکہ لائحہ عمل تشکیل دیا گیا۔ دوسری طرف مؤرخہ ۲۸ اپریل کی خبر یہ بھی ہے کہ سیکورٹی فورسز کے صوبہ سرحد کے علاقے لوئر دیر میں آپریشن کو مولانا صوفی محمد نے معاہدے کی خلاف ورزی قرار دیا ہے اور طالبان نے ایک بار پھر سوات کی گلیوں میں مسلح ہو کر گشت شروع کر دی ہے۔ دوسری طرف مرکزی حکومت نے بھی اے این پی کی رضامندی سے سوات میں ایک بڑے آپریشن کی تیاری کر لی ہے۔

ہمارے خیال میں ضرورت اس بات کی ہے کہ علما اس وقت اپنی سرپرستی میں ایک پرامن تحریک کا آغاز کریں۔ عدل کے قیام، غریب کو انصاف مہیا کرنے، ساری قوم کو امریکہ کی غلامی سے نجات دلوانے، ظالم حکمرانوں کے ظلم کے خاتمے، حدود اللہ کے نفاذ، امن و امان کے قیام، عریانی و فحاشی کے سیلاب کی روک تھام، اُخروی نجات اور مسلمانانِ پاکستان کی دنیاوی فلاح و بہبود کی خاطر ایک ایسی پرامن احتجاجی تحریک برپا کرنے میں آخر کیا مانع ہے کہ جس میں علما کسی کی جان لینے کی بات نہ کرتے ہوں بلکہ ظالم و فاسق حکمرانوں سے آزادی کے طلب گار ہوں۔

پاکستان کے مذہبی حلقے کو ان ظالم حکمرانوں اور ان کے جابرانہ نظام سے آزادی کی یہ جنگ لڑنی ہوگی۔ یہ جنگ ضرور ہوگی، آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں! اور یہ جنگ بغیر کسی بندوق، کلاشنکوف، اسلحے یا راکٹ لانچر کے لڑی جائے گی۔ اور ان شاء اللہ فتح ہمارا مقدر ہے۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔ آمین یا ربّ العٰلمین!

ماہنامہ محدث ۲۰۰۸ء کے تمام شمارے ایک جلد میں یکجا
قیمت ۲۸۰ روپے ...... فوری رابطہ کریں!